ہم خودی کو بلند کرتے رہے!

تحریر: سہیل احمد لون

حکیم خاندانی ہو تو نبض دیکھ کر بیماری بتا دیتا ہے, اچھا ڈاکٹر علامات اور رپورٹس سے بیماری کی تشخیص کرتا ہے, تجربہ کار مکینیکل انجینئر کو مشین کا mechanism دیکھ کر function معلوم پڑ جاتا ہے, ماہر موٹر مکینک گاڑی کے انجن کی آواز سے ہی بتا دیتا ہے کہ اس پر کیا قیامت گزر چکی ہے۔ قابل جج دونوں پارٹیوں کے ثبوت دیکھ کر اور دلائل سن کر سچ اور جھوٹ علیحدہ علیحدہ کر کے اپنا فیصلہ سناتا ہے۔ غرضیکہ ہر وہ شخص جو اپنے شعبے اور پیشے میں مہارت رکھتا ہے اسے اپنا لوہا منوانے میں کسی سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُس کا کام ہی اُس کی سند اور کام سے لگن ہی اُس کی حقیقی ڈگری ہوتی ہے۔ موجودہ ملکی حالات میں ہمارا کوئی ادارہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر ادارے کو چلانے والے یا تو پیشہ وارانہ صلاحیتوں سے عاری ہیں اور اگر ایسا نہیں تو کسی نے اُن کے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ بالخصوص جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ دوڑ ہے۔ یوں دکھائی دیتا ہے جیسے سیاسی بصیرت انہیں چھو کر بھی نہیں گزری، جسے وہ بصارت سے بھی محروم ہوں اور انہیں وطن عزیز میں ہر لمحہ بدلتی صورت حال انہیں دکھائی نہ دے رہی ہو۔ جو ماضی کی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں..... حال میں بے حال اور مستقبل سے نا امید.....! دیانتدار بیوروکریٹ اور سیاستدان ملک کی تاریخ بناتے ہیں مگر آج ہم ''تاریخ'' بنتے نظر آ رہے ہیں۔ ملک بیک وقت کئی اکھاڑوں میں کبھی نہ ختم ہونے والی نورا اور حقیقی کشتیاں لڑ رہا ہے۔ تعجب ہے کہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہمارا زرخیز خطہ معاشی بدحالی کا شکار کیوں ہے؟ غیر معیاری اور طبقاتی نظام تعلیم نے علمی پستی کی طرف دھکیل رکھا ہے اور قوم بننے کیلئے ترستا ہوا ہجوم جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ لوڈشیڈنگ, دہشت گردی, ناانصافی, طبقاتی درجہ بندی, بے روزگاری, صحت, سیکیورٹی, بھوک, افلاس, مہنگائی, چور بازاری اور لوٹ مار جیسے مسائل سے بھرا پاکستان حیرت و حسرت سے اپنے راہبروں کا منہ تک رہا ہے۔ ویسے تو ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے مگر موجودہ حالات نے اتنا مایوس کر دیا ہے کہ لوگ کسی معجزے کی منتظر دکھائی دیتے ہیں۔ ہم مسئلوں کی اس دلدل میں ایسے دھنستے جا رہے ہیں کہ باہر نکلنے کی کوئی امید ہی دکھائی نہیں دے رہی۔ ہم تو پہلے سے ہی مسائل میں خود کفیل تھے۔ اب ایک اور مسئلہ , خودمختاری اور ملکی سالمیت کا بھی آن پڑا ہے۔ ہم ایک آزاد ملک میں رہتے ہوئے بھی خود کو , خودمختار, کہتے ہوئے جھجک محسوس کرتے ہیں۔ شاعر مشرق نے تو فرمایا تھا۔

؎ خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اپنے ہاں تو ''خودی'' کے ساتھ ساتھ بڑا کچھ بیچا بلکہ لٹایا گیا ہے اور ابھی تک آبا و اجداد کی وارثت سمجھ کر بانٹا جا رہا ہے۔ اس معاملے میں ہماری سخاوت نے خاتم طائی کو بھی شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے اس بیچارے کے پاس کیا تھا ہم تو دینے پر آئیں تو آدھا ملک دے دیتے ہیں اور وہ بھی 90 ہزار مسلح اسیروں کے ساتھ۔ ایک عافیہ تو ایسے ہی منظر عام پر آ گئی تھی ورنہ ہم تو ہزاروں کو قربانی بلکہ صدقے کا بکرا بنا کر ''نیم گوری ماتا'' کے چرنوں میں ڈال دیتے ہیں۔ شاید اس سے باقی قوم کی سر سے بلا ٹل جائے اور ان کی جان بخشی ہو سکے۔ مگر ''سفید گھر'', میں رہنے والے ''سیاہ مکین'' کو تو جیسے ''پاک لہو'' کا عادی ہو گیا ہو اُس کی پیاس کسی طور بجھتی دکھائی نہیں دے رہی۔ اب ہماری

غریب عوام میں اتنا خون کہاں بچا ہے کہ اس کی پیاس بجھ سکے۔ پہلے ہی بوٹوں والے ڈریکولا,نوٹوں والی جونکوں اور لوٹوں والے پسوؤں نے ان کا سارا خون چوس رکھا ہے۔اس نیم مردہ نیم قوم کو ہوش کے انجکشن لگا کر جگانے کی اشد ضرورت ہے اور اگر خوش قسمتی سے ہوش آ گئی تو اُس کے بعد بھی غیرت مند خون کی چند بوتلیں لگانا پڑیں گی۔اس مقصد کے لیے ,ایمانداری کا ہسپتال بھی بنانا ہوگا۔جس میں کبھی نہ بکنے والے سرجنوں کی ایک ٹیم ہو جو ضرورت پڑنے پر آپریشن بھی خود ہی کرے۔مگر یہ سب ان شاہ خرچوں کے دور میں تو کبھی ممکن نہیں ہوسکتا۔جن کا سارا دھیان ہی مقابلہ حسن کے جیتنے اور پھر اپنا دورِ حکومت مکمل کرنے کی طرف ہے۔یہ شاہی فقیروں کا مقابلہ حسن جو اصولاً تو پانچ سال بعد ہونا چاہئے مگر اکثر 5 سال میں 2 بار ہی ہو جاتا ہے۔بڑی تیاری کے ساتھ اس مقابلے میں حصہ لیتے ہیں۔کوئی سونے کے بٹن والی قمیض کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو کوئی سر پر نئے بال لگوا کر,کوئی ڈائمنڈ والی عینک کے ساتھ کیٹ واک کرتا دکھائی دیتا ہے تو کوئی ذاتی شیر کے ساتھ ریڈ کارپٹ کی شان بڑھاتا ہے۔اگر ہیلی پیڈ,رن وے کا انتظام کر دیا جائے تو کئی تو اپنے ذاتی ہیلی کاپٹر اور طیارے پر لینڈ کرنے کے بھی خواہاں ہوتے ہیں۔یہی نہیں انکے جان نشین بھی جدید سپورٹس کاروں پر اپنے بڑوں کو کامیاب کروانے کیلئے میدان میں آ جاتے ہیں۔اس میں ہماری غریب عوام بھی حسب عادت حصہ ڈالتی ہے اور اپنا قیمتی ووٹ جس کی قیمت بارے انہیں آج تک علم نہیں ہوسکا ان کے حق میں استعمال کر کے اگلے پانچ سال کیلئے فقیر شاہی کو مینڈیٹ دے دیتی ہے۔ان کے پاس مخصوص چہروں کے سوا کسی اور کو منتخب کرنے کی کوئی اور چوائس نہیں ہوتی۔اس سلیکشن نما الیکشن میں تو کسی غیرت مند کا داخلہ ویسے ہی ممنوع ہوتا ہے۔اگر کبھی جیوری کے فیصلے پر دھاندلی کا شور مچ جائے۔تو اس کا بھی معقول انتظام ہے ناں!ہمارے ہر فن مولا.....!!!جو ہوا , خشکی اور پانی ہر جگہ مارچ کر سکتے ہیں۔ان کو تو نہ عوام کے ووٹ کی ضرورت ہے نہ کسی جیوری کے فیصلے کی..... ہر فیصلہ خود ہی لکھ کر منوا لیتے ہیں۔خود کو بلا مقابلہ ہی منتخب کر لیتے ہیں۔اور ظلم یہ ہے کہ اگلے مقابلے کے لیے کوئی تاریخ بھی نہیں دیتے۔ایک بار تاج سر پر سجا لیں تو,10۔11 سال تک کسی کی باری نہیں آتی۔مگر آج سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وطنِ عزیز ان ڈراموں کا مزید متحمل ہوسکتا ہے؟

یہ نظام چلانے والے جب خود سے بے خود ہو جائیں۔تو پھر کیسی خودی.....؟جب مختار نامہ ہی کسی اور کے نام کا ہو تو..... کہاں کی خود مختاری .....؟شاید اقبال اور قائد کے نام پر حکومت کرنے والوں کا خیال تبدیل ہو چکا ہے اور اب وہ سمجھتے ہیں کہ

جھکنے والوں نے رفعتیں پائیں

ہم خودی کو بلند کرتے رہے

تحریر:سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

02-06-2011